

کیا انسان عصر جدید میں وحی کا محتاج ہے

<?xml encoding="UTF-8">

سوال :

اگر کوئی شخص اس سوال کے جواب میں کہے کہ ہر مخلوق کے لئے ارتقاء ضروری ہے، پھر حضرت محمد (ص) نے کیوں یہ فرمایا : "میں آخری پیغمبر ہوں؟" یہ کہہ کر گو یا پیغمبر اکرم (ص) فرماتے ہیں : "خاتم انبیاء میں ہوں"، آپ یہ کہنا نہیں چاہتے ہیں: جو کچھ میں نے کہا ہے وہ انسان کے لئے ابدی طور پر کافی ہے، بلکہ خاتمیت یہ کہنا چاہتی ہے کہ انسان اب تک اس کا محتاج تھا کہ اس کی زندگی کے لئے ماورائے عقل و تربیت بشری راہنمائی کی جائے، اب اس زمانہ (ساتویں صدی عیسوی) میں، یونانی، رومی اور اسلامی تمدن اور قرآن، انجیل و تورات کے آنے کے بعد انسان کی مذہبی تربیت ضرورت کی حد تک انجام پائی ہے اور اس کے بعد انسان اس طرز تربیت کی بنیاد پر وحی اور نئی نبوت کے بغیر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر اپنی زندگی کو جاری رکھتے ہوئے اسے پائے تکمیل تک پہنچا سکتا ہے، اس لئے اب نبوت ختم ہوئی ہے! انسان راستہ کو خود طے کرسکتا ہے۔ پیغمبر اسلام (ص) فرماتے ہیں : اس کے بعد تم لوگ تربیت یافتہ ہو اور تم لوگوں کا شعور مصلحت، سعادت، ارتقاء اور آرام و آسائش کو برقرار کرنے کی حد تک پہنچ گیا ہے، تم میتوانائی ہے اور سمجھتے ہو یعنی تمہارا شعور اور تفکر، ارتقاء کے ایک ایسے مرحلہ تک پہنچ گیا ہے کہ اب تمہیں وحی کی دستگیری کی ضرورت نہیں ہے جو تمہیں قدم قدم پر راہنمائی کرے، اس کے بعد عقل وحی کی جانشین ہو گی!...

کیا اس قسم کی تعبیر، "خاتمیت" کے منافی ہے یا نہیں؟

جواب:

مذکورہ استدلال کا خلاصہ یہ ہے: انسان دوسری مخلوقات کے مانند ارتقاء کی گزر گاہ پر قرار پایا ہے، اس راہ سے انسانی معاشرہ زمانہ اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی خلقت میں خاص حالات پیدا کر کے نئے شرائط میں قرار پاتا ہے، جس کے لئے مزید اور تازہ تربیت کی ضرورت ہوتی ہے اس بنا پر انسان اپنی زندگی کی روش کے مراحل میں سے ہر مرحلہ پر، دوسرے الفاظ میں اس مرحلہ سے مربوط ضرورتوں کے مطابق تازہ اور مناسب دینی احکام اور قوانین کا محتاج ہوتا ہے، اس لئے وہ ہرگز دین یا زندگی کی ایک روش کو ابدی اور ہمیشہ کے لئے فرض نہیں کرسکتا ہے۔ من جملہ شریعت مقدس اسلام بھی ایک واقعی دین اور بشر کا حقیقی راہنما ہے، یہ ابدی دین نہیں ہوسکتا ہے! اس لئے نبی اکرم (ص) کا خاتم النبیین ہونے کا مطلب، کہ آپ (ع) فرماتے ہیں: "میں خاتم النبیین ہوں" یہ ہے کہ عقل کی کمزوری کی وجہ سے اب تک انسان اپنی زندگی کے لئے تعقل اور

بشری تربیت سے ماورِ راہنمائی کا محتاج تھا ، لیکن اس زمانہ (ساتویں صدی ہجری) میں یونانی ، رومی اور اسلامی تمدن کے آنے اور آسمانی کتابوں جیسے توریت ، انجیل اور قرآن مجید کے نزول کے بعد انسان کی مافوق بشری تربیت ضرورت کی حد تک پوری ہو چکی ہے ، اب وہ وحی کی راہنمائی کا محتاج نہیں ہے خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی طاقت رکھتا ہے ، اس لئے نبوت اور وحی کا خاتمہ ہوا ہے ، انسان کو اب اپنی عقل سے زندگی کو جاری رکھنا چاہئے اور وہ اس کے بعد وحی و نبوت سے بے نیاز ہے ۔ یہ استدلال کا خلاصہ ہے ، لیکن قابل ذکر بات ہے کہ یہ بیان مختلف جہات سے مخدوش ہے :

پہلا اعتراض :

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ انسان (فرد ہو یا اجتماع) ارتقاء کی گزرگاہ پر قرار پایا ہے ، اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ انسان ایک محدود حقیقت ہے اور اس کا ارتقاء بھی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے محدود ہے نہ لا محدود اور اس کا ارتقاء جس قدر وسیع تر فرض کیا جائے بالآخر ایک مرحلہ پر رک جائے گا اور نتیجہ کے طور پر اس وقت عالم بشریت پر حکومت کرنے والی روش اور قوانین ثابت اور غیر متغیر ہوں گے ، لہذا انسان کے ارتقاء کی گزرگاہ پر ہو نا بذات خود ایک ثابت اور رابدی دین کے تحقق کی دلیل ہے نہ اس کی نفی ۔

دوسرا اعتراض :

یونانی اور رومی تمدن (جو بت پرستی اور اس کے وضع کردہ قوانین کی پیداوار تھے) کو انسانی عقل کے ماورئ سمجھنا قرآن مجید کے واضح نص کے خلاف ہے کہ بہت سی آیتوں میں ان کے رسم و رسوم کو گمراہی اور ہلاکت کی راہ شمار کیا گیا ہے اور ان کے اعمال کو (اگرچہ نیک اعمال کی صورت میں بھی ہوں) برباد، باطل اور مکمل طور پر بے اثر اور بے اعتبار شمار کرتا ہے اور جو راستہ گمراہ، بے اثر اور بے اعتبار ہو ، ہرگز راہنمائی کرنے والا اور سعادت تک پہنچانے والا راستہ نہیں ہوگا (اس سلسلہ میں آیات اس حد تک زیادہ ہیں کہ ان کو نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے)

تیسرا اعتراض :

اس بات کا اعلان کہ رسول اکرم (ص) کی بعثت کے زمانہ، یعنی ساتویں صدی عیسوی کے بعد لوگوں کی عقلیں چونکہ مکمل ہوئی ہیں اور شریعت آسمانی کی اب ضرورت نہیں ہے اور انسان وحی کی راہنمائی سے بے نیاز ہے ، کیا یہ نظریہ نئی آسمانی شریعت کے لانے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینے کے ساتھ واضح تضاد نہیں

رکھتا؟ اور وہ بھی ایک ایسی شریعت کے بارے میں جو قرآن مجید کی نص کے مطابق تمام گزشتہ شریعتوں کی جامع ہے، چنانچہ فرماتا ہے :

(**شرع لكم من الدين ما وصى به نوحاً والأبوينما وصى به ابراهيم وموسى وعيسى...**) (شوریٰ ۱۳)
"اس نے تمہارے لئے دین میں وہ راستہ مقرر کیا ہے جس کی نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر! تمہاری طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی کی ہے..."
ایک ایسا دین، جیسے خداوند متعال نے اپنے کلام میں واضح طور پر اسلام کہا ہے اور اس کی شریعت ابراہیم علیہ السلام کے طور پر تفسیر کی ہے اور فرمایا: لوگوں سے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول نہیں کرتا اور کسی کو اس کی مخالفت کرنے کا حق نہیں ہے :

(**نّ الدين عند الله الاسلام...**) (آل عمران ۱۹)

"دین، اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے"

(**وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ...**) (آل عمران ۸۵)

"اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا..."

(**مِلَّةَ ابيكم ابراهيم هوسمّيكُم المسلمین...**) (حج ۷۸)

"یہی تمہارے بابا ابراہیم کا دین ہے اس نے تمہارا نام پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی مسلم اور اطاعت گزار رکھا ہے"

(**وما كان لمؤمن ولامؤمنة اذا قضى الله ورسوله أمراً ان يكون لهم الخيرة من امرهم...**) (احزاب ۳۶)

"اور کسی مومن مرد یا مومنہ عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا و رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کریں تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے..."

یا ہم یہ کہیں کہ تمام آسمانی تکالیف خود رسول خدا (ص) کی شخصیت سے متعلق تھیں اور دوسرے لوگ وحی اور آسمانی احکام کے بارے میں آزاد تھے، اس صورت میں قرآن مجید کے یہ سب خطاب : (**يا ايها الناس**) (یا

يها الذين آمنوا) وغیرہ کا معنی کیا ہے؟ وحی کے پیروکاروں کو یہ سب بشارتیں کیا معنی رکھتی ہیں؟ اور مخالفت کرنے والوں کو یہ سب انتباہ کس لئے؟ یا ہم یہ کہیں کہ پیغمبر اسلام (ص) کی لائی ہوئی شریعت کی طرف

آپ (ص) کی دعوت، دین اسلام کو پہنچانے کے بعد خود بخود تجویزی صورت اختیار کر گئی، اس طرح (**ولكن**

رسول الله وخاتم النبيين....) (احزاب ۴۰) کا لازمی معنی یہ ہے کہ تم انسان اس تاریخ کے بعد ہدایت، وحی اور

آسمانی شریعت سے آزاد ہو اور اب تم اپنی (کامل ہوئی) عقلوں کے مطابق اپنی زندگی کی راہ و روش کو تشخیص دے کر قدم بڑھاؤ اور میں قوانین کے ان دفعات کو مرتب کر کے تمہارے لئے لایا ہوں، تمہیں تجویز کرتا ہوں کہ

انہیں اپنی عقل سے موازنہ نہ کرو، اگر عقل نے ان کی تصدیق کی تو انہیں قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا۔ حقیقت

میں یہی جمہوریت کے تمدن کا معنی ہے، جس کے مطابق اس تمدن میں اجتماعی قوانین لوگوں کی اکثریت کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن دیکھنا چاہئے کہ رسول اکرم (ص) نے نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج و جہاد وغیرہ

جیسے ان احکام اور قوانین میں سے کس قانون کو نزول کے بعد شوریٰ میں قرار دیا ہے اور اکثریت کی رائے اور

مرضی حاصل کرنے کے بعد اسے نافذ کیا ہے؟ یہ ایک ایسا مطلب ہے جس کا تاریخ اور سیرت میں ایک نمونہ

تک پیدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جی ہاں، بعض اوقات آنحضرت (ص) ایک اصلی حکم کو عملی جامہ پہنانے کی کیفیت اور حکم الہی کی اطاعت کے لئے اجتماعی کاموں کے بارے میں صلاح و مشورہ فرماتے تھے، جیسا کہ "جنگ احد" میں شہر کے اندر دفاع

کیا جائے یا شہر کے باہر جیسے مسائل میں صلاح ومشورہ فرمایا۔ البتہ اصلی حکم پر عمل کر نے اور حکم کے طریقہ کار پر عمل کرنے میں فرق ہے۔

یہاں یہ کہیں کہ اس آیہ کریمہ: (...ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین...) (احزاب ۴۰) کا معنی یہ ہے کہ اس کے پیش نظر کہ نبی اکرم (ص) رسول ہیں جو دین لائے وہ سنجیدہ اور متین دین ہے، لیکن چونکہ نبوت آپ (ص) کے ساتھ ختم ہو گئی، اگر اس زمانہ کے بعد دینی احکام میں سے کوئی حکم وقت کی مصلحت کے مطابق نہ ہو بلکہ مخالف ہو تو اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد بدل کر مصلحت کے مطابق اس کی جگہ پر ایک نیا حکم جانشین کرنا چاہئے۔

اس بحث کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شریعت اسلام بھی زمانوں کے اختلاف اور تقاضوں میں تبدیلی کے پیش نظر دوسرے اجتماعی قوانین کی طرح متغیر ہے۔ صدر اسلام کے خلفائ نے بھی اسی ذوق کے پیش نظر اسلامی احکام کے بعض حصوں (جو رسول اکرم (ص) کے زمانہ میں نافذ تھے) پر پابندی لگادی یا ان میں تبدیلی لائی۔ اسی وجہ سے نبی اکرم (ص) کی سیرت بیان کرنے والی احادیث کو نقل کر نے اور ان کی نسخہ برداری کو، قرآن مجید کی حرمت کے تحفظ کے نام پر، پہلی صدی ہجری میں شدیداً ممنوع قرار دیا گیا اور صرف قرآن مجید کی نسخہ برداری کی اجازت تھی۔

یہ طریقہ کار (یعنی زمانوں کے بدلنے کے ساتھ دینی احکام اور قوانین کا بدلنا) اگرچہ بعض دانشوروں خاص کر اہل سنت والجماعت کے مصنفوں کے رجحان کا سبب بنا، لیکن یہ طریقہ کار واضح طور پر قرآن مجید کے منافی ہے اور اسلام کا مقدس دین اس قسم کی تبدیلی کو ہر گز قبول نہیں کرتا ہے۔ قرآن مجید اپنے بیانات میں اس بات پر تاکید فرماتا ہے اور انسان کی بے داغ فطرت اور ضمیر کا بھی یہی حکم ہے، کہ حق کی اطاعت و پیروی کی جانی چاہئے اور حق کی مخالفت گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

(...فماذا بعد الحق الا الضلل...) (یونس ۳۲)

"...اور حق کے بعد ضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے..."

قرآن مجید حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور باطل کے لئے اس میں کوئی جگہ نہیں ہے اور نہیں ہو گی :

(...وانہ لکتاب عزیز * لایا تہ الباطل من بین یدہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید) (فصلت ۴۱-۴۲)

"...بیشک یہ ایک عالی مرتبہ کتاب ہے۔ جس کے قریب، سامنے یا پیچھے کسی طرف سے باطل آ بھی نہیں سکتا ہے کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔"

قرآن مجید ناقابل بطلان اور منسوخ کتاب ہے، اس کے بعض مطالب میں تبدیلی پیدا ہونا بے معنی ہے۔

بلکہ قرآن مجید واضح الفاظ میں شریعت کے حکم اور تشریع کو خدائے متعال کا خصوصی امر جانتا ہے اور

حکم جاری کرنے میں کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتا، جیسا کہ فرماتا ہے :

(...الحکم لله مرلاً تعبدوا لا آیاء...) (یوسف ۴۰)

"...حکم کرنے کا حق صرف خدا کو ہے اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کی جائے..."

مزید فرماتا ہے :

(وما اختلفتم فیہ من شء فحکمہ الی اللہ...) (شوریٰ ۱۰)

"اور تم جس چیز میں بھی اختلاف کرو گے اس کا فیصلہ اللہ کے ہاتھوں میں ہے .."

جب خدائے متعال کے علاوہ کسی کو حکم جاری کرنے کا حق نہیں ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنی

عقل پر بھروسہ کر کے حکم جاری کرے اور آسمانی حکم سے بے نیاز ہو ؟

جی ہاں، اسلام میں کچھ ایسے قوانین اور ضوابط ضروری ہیں جو قابل تنسیخ و تغیر ہیں اور وہ ایسے قوانین ہیں جنہیں ولی امر (اسلامی حکومت) مختلف حالات میں وقت کی مصلحتوں کے پیش نظر شرع کے سایہ میں وضع کرتا ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ ولی امر کی معاشرہ سے نسبت ایک چھوٹے گھرانے سے اس کے مالک اور سربراہ کی نسبت کے مانند ہے۔ گھر کا مالک مصلحت کے پیش نظر اپنے گھر میں ہر قسم کا اقدام کرسکتا ہے اور گھر کے افراد کو ان کی مصلحتوں کے مطابق ان کے نفع میں ہر قسم کا حکم جاری کرسکتا ہے اور اگر ان کے گھریلو حقوق پر ظلم و ستم ہو جائے تو دفاع کر سکتا ہے، یا اگر مصلحت نہ سمجھے تو خاموش بیٹھ سکتا ہے! لیکن وہ جس قسم کے بھی اقدام کرے یا کوئی قانون جاری کرے تو وہ دین کے مطابق ہو نا چاہئے، وہ کسی ایسے اقدام یا حکم کو انجام نہی دے سکتا جو دین کے مخالف ہو۔ ولی امر بھی، مصلحت کے تقاضوں کے مطابق، اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے دفاع اور جہاد کا حکم دے سکتا ہے یا کسی حکومت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر سکتا ہے یا جنگ یا صلح کی ضرورتوں کے مطابق نئے ٹیکس لگا سکتا ہے اور اسی طرح... یہ قوانین دین اور وقت کی مصلحتوں کے مطابق ہونے چاہئے اور ضرورت پوری ہوتے ہی یہ قوانین خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

نتیجہ کے طور پر، اسلام کے پاس دو قسم کے قوانین ہیں: ثابت اور غیر متغیر قوانین اور یہ آسمان شریعت ہے، جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

(ولقد آتینا بنی اسرائیل الکتاب والحکم والنبوة... * ثم جعلنک علی شریعة من الامر فتبعها و لا تتبع اھواء الذین لا یعلمون * انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیاً وانّ الظلمین بعضهم اولیاء بعض واللہ ولیّ المتقین)
(جاثیة ۱۶-۱۹)

"اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی ہے... پھر ہم نے آپ کو اپنے حکم کے واضح راستہ پر لگا دیا لہذا آپ اسی کا اتباع کریں اور خبردار جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کریں۔ یہ لوگ خدا کے مقابلہ میں ذرہ برابر کام آنے والے نہیں ہیں اور ظالمین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تو اللہ صاحبان تقویٰ کا سرپرست ہے۔"

اس قسم کے قوانین کو شریعت کہا جاتا ہے۔ اور قابل تغیر قوانین، جنہیں اقتضائے مصلحت و زمان کے مطابق ولی امر وضع کر کے نافذ کرتا ہے، ضرورت پوری ہونے پر خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔